عصری سماجی علوم کی اسلام کاری کی ضرورت: درپیش چیلنجز اور اسلام کاری کی حکمتِ عملی

The Need for Islamization of Modern Social Sciences: The Challenges and Strategies for Islamization

*سرفراز حسین سعید
**ریاست علی
***ثاقب علی

Abstract

Knowledge belongs to various fields, which discuss the social, political, natural and material aspects of any society. There are two theories about social sciences; Islamic Theory and Secular or Western Theory. These theories reflect the social background of any society. Ethical values carry primary importance in educational system. With their development, contemporary social sciences have laid huge impact on not only non-Muslim individuals, but some Muslim intellectuals have also fallen prey to their sententious impact. In result, Muslim scholars feel proud after getting educated from contemporary social sciences. But, being devoid of spiritual impact, contemporary social sciences have led them to the way where neither God has any place nor the ethical values have any importance. Since the importance of contemporary social sciences, in current scenario, cannot be denied, the Muslim scholars and intellectuals have shown serious concern in this matter. They have different view points on whether the Muslims should derivate and utilize the

* پی ایچ ڈی سکالر شعبۂ اسلامیات، یونی ورسٹی آف گجرات، گجرات
** پی ایچ ڈی سکالر، شعبۂ اسلامیات، یونی ورسٹی آف گجرات، گجرات
*** ایم فل سکالر، شعبۂ اسلامیات، گفٹ یونی ورسٹی گوجرانوالہ

contemporary social sciences or not. There has been a lot of debate and discussion on the issue of Islamization of modern social sciences among the Muslim intellectuals also. This article aims at the need and challenges being faced in Islamizing contemporary social sciences. The discussion will be made on how the unislamic elements of contemporary social sciences can be Islamized.

Key Words: Education, Islamization, Knowledge, Social Sciences

موضوعِ تحقیق کا تعارف اور اہمیت

علم کے متنوع میدان ہیں۔ یہ کائنات اور زندگی کے تمام طبعی، معاشرتی، روحانی اور مادی پہلوؤں سے بحث کرتے ہیں۔علوم کے بارے میں سیکولر اور مذہبی مختلف طرح کے نظریات پائے جاتے ہیں۔ نظریاتِ تعلیم کی اس تقسیم کے انسانی معاشرے پر گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ علم التعلیم، اساتذہ اور طلبہ کے لیے مختلف مضامین کی تدریس اور سیکھنے سے متعلق ہے۔اس تعلیمی عمل سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ تعلیم پانے والے کا روّیہ تبدیل ہو کر معاشرے سے مطابقت اختیار کرلے اور اس کے اندر ایک مؤثر انسانی شخصیت کے لیے مطلوبہ صلاحیتوں کی نشو ونما ہو۔ تعلیم ایک اطلاقی عمل ہے، جو دوسرے اجتماعی اور انسانی مضامین پر مشتمل ہے۔ یہ سیکھنے والے یا متعلّم کے روّیے کو معلومات اور مہارت کے لحاظ سے تبدیل کرنے سے بحث کرتا ہے۔ تعلیم انسانوں کی ایک خاص سمت میں رہنمائی کرتی ہے۔ یہ سمت معاشرے کی اقدار یا کسی خاص نظریۂ حیات سے متعین ہوتی ہے۔اس سارے تعلیمی عمل میں مختلف تکنیکیں اور طریقے استعمال کیے جاتے ہیں۔ مختلف علوم چاہے وہ مذہبی ہوں یا سیکولر، یہ علوم بذاتِ خود ایک عمل بھی ہیں اور عمل کا نتیجہ بھی۔ تعلیم کے مقاصد اور نتائج معاشرے کے نظامِ اقدار کا عکس ہوتے ہیں۔ اسی لیے تعلیم ہر گز ایک غیر جانب دار مضمون نہیں ہے۔ تعلیم غیر جانبدار ہو ہی نہیں سکتی، وہ اس لیے کہ جن نظریات اور اقدار پر مبنی تعلیم افراد تیار کرتی ہے، وہ افراد اور شخصیات اسی اقداری نظام اور اس کے نظریۂ حیات کے نمائندہ ہوتے ہیں۔ تعلیم کے مختلف حصے دوسرے اجتماعی اور انسانی مضامین سے اس کے تعلق پر مبنی ہوتے ہیں اور یہ مضامین بھی کچھ اقدار اور کچھ تجربات سے تشکیل پاتے ہیں۔ عملِ تعلیم جس میں سکھانے کے مختلف طریقے، لوازمے اور حکمتِ عملی کا استعمال شامل ہے، یہ انسان کی عمومی فطرت پر مبنی ہوتا ہے اور اسے بین الاقوامی اور تجرباتی زاویے بھی مدد دیتے ہیں۔ عصری سماجی علوم کون کون سے ہیں؟ ان علوم کی اسلام کاری کی ضرورت کیوں ہے؟ وہ کون کون سے چیلنجز ہیں جو عصری سماجی علوم کی اسلام کاری کے راستے ہیں حائل ہیں؟ نیز اگر ایسے علوم جو اسلامی فکر و نظر سے متصادم ہیں لیکن عصرِ حاضر میں اُن سے استفادہ نا گزیر ہے تو اِن علوم میں شامل غیر اسلامی عناصر کو کس طرح اسلامی قالب میں ڈھالا جا سکتا ہے؟ درج ذیل مباحث میں انہی سوالات کو زیرِ بحث لایا گیا ہے۔

عصری سماجی علوم کی اسلام کاری کی ضرورت، درپیش چیلنجز اور اسلام کاری کی حکمتِ عملی

عصری سماجی علوم کی اسلام کاری کی ضرورت اور حکمتِ عملی پر بحث کرنے سے پہلے ہم دیکھیں گے کہ علوم کی اسلا مائزیشن کا تاریخی پسِ منظر کیا ہے تاکہ ہمیں ان علوم و فنون کی اسلام کاری کی حقیقی ضرورت و اہمیت اور اس عمل کی افادیت کا اندازہ ہو سکے اور ہم اس قابل ہو جائیں کہ عصری سماجی علوم کو اسلامائز کرنے کی کوئی درست اور قابلِ عمل حکمتِ عملی ترتیب دے سکیں۔

علوم کی اسلامائزیشن کا تاریخی پس منظر

اسلامائزیشن کے حوالے سے دبی دبی چنگاریاں تو دلوں میں ہمیشہ سے موجود رہی ہیں، لیکن ان کی حدت میں اضافہ، ستر کی دہائی میں لندن میں ہونے والے اسلامی سماجی میلے (فیسٹیول) اور لاہور میں ہونے والی، دوسری اسلامی سربراہی کانفرنس کے ذریعے ہوا۔ لیکن ان چنگاریوں نے شعلہ نوا کی مجسم صورت اس وقت اختیار کی جب علوم انسانی (تعلیم) کی اسلامائزیشن کے بارے میں، مسلم ممالک نے یکجا ہو کر سنجیدہ غور و فکر کرنا شروع کیا۔ پوری مسلم دنیا سے تعلیمی و عقلی علوم سے آراستہ جید علماء نے اس کانفرنس میں شرکت کی۔ اس وقت سعودی عرب میں علمی فضا نسبتاً کھلی ڈھلی تھی۔ اس لیے ملائیشیا سے مشہور اسلامی سکالر سید نقیب العطاس، امریکہ سے اسماعیل الراجی الفاروقی اور ایران سے سید حسین نصر نے خصوصی شرکت کی۔ اس کانفرنس کے اعلامیے کے نتیجے میں ملائیشیا اور پاکستان میں بین الاقوامی جامعات برائے اسلامی علوم، اسلام آباد اور کوالالپمور میں قائم کی گئیں۔ جن کے ذمے سماجی علوم کی اسلامائزیشن کے حوالے سے مزید کام کرنا تھا۔ اور اسلامی تصور جہاں کے مطابق مسلم نوجوانوں کی تعلیم و تربیت کرنا تھی۔ چنانچہ علوم انسانی کی اسلامائزیشن کے حوالے سے؛ فکری و عملی کام کا آغاز؛ ان تین شخصیات کے ذریعے ہوا۔ اس سلسلے میں ملائیشیا کے مشہور اسلامی اسکالر؛ سید نقیب العطاس نے اپنی معروف کتاب ''اسلام اور سیکولرزم'' لکھی۔ انہوں نے ۱۹۸۷ء میں اس مقصد کے لیے بین الاقوامی ادارہ برائے سائنس اور سیوالائزیشن (ISTAC) کی بنیاد رکھی، جس کا مقصد علوم کی اسلامائزیشن، سرگرمی کو آگے بڑھانا تھا۔ اس کے علاوہ پرجوش فلسطینی اسلامی سکالر اسماعیل الراجی الفاروقی نے علوم انسانی کی اسلامائزیشن کے حوالے سے سب سے زیادہ عملی کام کیا۔ انہوں نے بھی ایک بین الاقوامی ادارہ انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف تھاٹ (IIIT) کے نام سے قائم کیا۔ اس ادارے کا بنیادی کام جدید سماجی علوم کو اسلامی تصور توحید اور اسلامی تصور جہاں کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرنا تھا۔ بدقسمتی سے امریکہ میں موجود صیہونی لابی نے انہیں اہلیہ سمیت 1985ء میں شہید کروادیا۔ بہر حال ان کا ادارہ ابھی بھی امریکہ اور ملائیشیا میں اسلامائزیشن کا کام جاری رکھے ہوئے ہے۔ عصری سماجی علوم کی اسلامائزیشن کے حوالے سے اسی اور نوے کی دہائی میں فکری لحاظ سے سب سے معروف اور بلند آہنگ آواز سید حسین نصر کی تھی۔ انہوں نے مکتب روایت کے تحت اسلامی تصور جہاں کے مطابق سماجی انسانی کی از سر نو تشریح کرنے کی پُرزور حمایت کی۔ ان کی معروف کتاب ***Knowledge and Sacred*** میں بھی اسی موضوع پر بات کی گئی ہے۔ گزشتہ

پچاس برسوں میں پروفیسر نصر کی تحریروں نے جامع اور مدلل انداز سے اسلام اور سماجی علوم کے مابین تعامل کی مثبت راہیں تلاش کیں ہیں۔ نصر نے اگر جدید سماجی علوم پر تنقید بھی کی ہے تو وہ بھی ٹھوس دلائل کی بنیاد پر کی ہے۔ وہ مسلسل اس امر پر زور دیتے آئے ہیں کہ مسلمان جدید سماجی علوم کا مطالعہ کریں اور اسلامی تصور جہاں، مشاہدہ کائنات اور تناظر عالم کے لحاظ سے جدید مغربی سماجی علوم پر تنقید بھی کریں۔ اسی معاملے میں پروفیسر نصر کی سوچ کافی واضح ہے۔ آپ کا خیال ہے کہ اسلامی تہذیب، مغربی سائنس اور ٹیکنالوجی کے حصول کی دوڑ میں اس وقت تک ہم پلہ نہیں ہو سکتی جب تک وہ خود کو تباہ و برباد نہ کرے۔ کیونکہ جو اہل فکر و نظر حضرات، اسلام کی مذہبی، فکری اور جدید سائنس کی فطرت سے واقف ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ جدید سائنس اور اسلامی تصور جہاں کے مابین براہ راست تصادم کی کیفیت موجود ہے۔

جدید سائنس اور ٹیکنالوجی نہ تو غیر جانبدار ہے اور نہ ہی کسی اقداری نظام سے آزاد (نیوٹرل) ہے۔ لہٰذا یہ سائنس بھی لازماً اپنے ماننے والوں اور استعمال کنندگان (وصول کنندگان) پر ایک مخصوص تصور جہاں اور اقداری نظام تھوپتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ پروفیسر نصر کا اصرار ہے کہ مسلمانوں کو اسلامی فکر روایت کی حدود سے حاصل شدہ فکری و اخلاقی ہدایت کی روشنی میں جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کا بھی سامنا کرنا چاہیے۔ وہ چاہتے ہیں کہ مسلمان جدید سائنس میں مہارت حاصل کریں اور اس سے نظریں نہ چرائیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ جدید مغربی سائنس اور ٹیکنالوجی کو پرکھیں اور عام لوگوں پر واضح کریں کہ مغربی سائنس کی حقیقت کیا ہے؟ اور اس سلسلے کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے مسلمان سکالرز، دانشور (علماء) اور سائنسدان، معتبر اسلامی سائنس تخلیق کرنے میں اپنا کردار ادا کریں۔

عصری سماجی علوم کی اسلام کاری کی ضرورت اور درپیش چیلنجز

علوم کو اسلامیانے کا مطلب ہر گز یہ نہیں کہ نیا علم گھڑ لیا جائے یا مروجہ عصری سماجی علوم کو رد کر دیا جائے۔ جدید سماجی علوم کی اسلام کاری کا مطلب یہ ہے کہ عصری سماجی علوم کو اسلامی فکر و عمل میں ڈھال لیا جائے اور اس کو سیکولر نظریات سے پاک کر لیا جائے، اس کے علاوہ اسلامی روایتی علوم کے ساتھ اس کو مربوط کر لیا جائے۔ موجودہ سماجی علوم کا از سر نو جائزہ لیا جائے اور اس نظامِ تعلیم کو ایسے عناصر سے دور رکھا جائے جو اسلامی قدروں اور اسلامی عقائد کے منافی و متصادم ہوں۔ جدید سماجی علوم کی اسلامائزیشن کا مطلب یہ ہے کہ جدید سماجی علوم کو از سر نو اسلامی اساس پر مرتب کیا جائے۔ آخر علوم و فنون کو اسلامائز کرنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ اس کے بنیادی خدوخال کیا ہوں گے؟ کیا جدید یا مغربی سماجی علوم اخلاقی اقدار پر مبنی نہیں اس لیے ان کو اسلامائز کرنے کی ضرورت ہے؟ کیا یہ بات اور خدشہ درست ہے کہ مغربی علوم بنیادی طور پر سیکولر ہیں اور ان کے زیرِ اثر جدید سماجی علوم، طب، انجینئرنگ، علمِ ہندسہ، آرٹ، ادب اور دوسرے تمام علوم جو ان مغربی علوم کے زیرِ اثر آتے ہیں، سیکولر ہو گئے ہیں، یا اپنے مجموعی انداز سے سیکولر ذہن پیدا کرتے ہیں؟ کیا ان مغربی علوم کو اسلام کا کلمہ پڑھانا ضروری ہے تاکہ وہ اسلامی ذہن پیدا کر سکیں؟ ایک بات یہ بھی کہی جاتی ہے کہ اسلامی فکر کی تاریخ میں علوم کو اسلامائز کرنے کی بحث نہیں ملتی، جو کہ آج کل کے دانش ور کرتے ہیں۔ اس

میں شک نہیں ہے کہ قدماء نے بعض علوم کو سیکولر علوم کہا ہے لیکن ان میں کہانت، سحر اور اسی قبیل کے دوسرے علوم شامل ہیں، جن کی کوئی سماجی تشریح ممکن نہیں۔ جدید مغربی سماجی علوم کو کہیں بھی سیکولر نہیں کہا گیا بلکہ ان علوم میں سیکولر آمیزش کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ ماضی میں بھی ایسے علوم موجود تھے جو غیر سماجی یا غیر علمی بنیادوں پر استوار تھے اور ان علوم کو اسلامی علوم کے دائرہ سے نکال دیا گیا۔ لیکن چاہے وہ یونانی منطق ہو یا بطلیموس کا نظامِ کائنات ہو یا پھر ارسطو کا نظریہ ارتقاء، ان سب کو اس نقطۂ نظر سے پرکھا گیا کہ ان علوم میں سے کون سے علوم ایسے ہیں جو عقل اور تجربے کی کسوٹی پر پورے اترتے ہیں اور کن علوم کو عقل اور تجربہ کی کسوٹی پر پورا نہ اترنے کی وجہ سے علوم کے دائرہ سے نکال دیا جانا چاہیے۔ اسلامی تاریخ میں سماجی ترقی کا یہی سبب ہے کہ وہ علوم وفنون کے بارے میں ان بحثوں میں مبتلا نہیں ہوئے جن میں ارسطو کے زیرِ اثر وہ عقائد کے میدان میں مبتلا ہو گئے تھے۔ انسانی (عقلی) علوم کی اسلامائزیشن کا براہ راست تعلق، اسلامی تصور جہاں اور اس سے جڑے سماجی علوم کے مطالعے کے ساتھ ہے۔ باالفاظ دیگر جب جب اسلام (مذہب) اور سائنس کے مابین مکالمہ کیا جائے گا، یا باہمی تعلقات کا جائزہ لیا جائے گا۔ اس کا بلواسطہ یا بلاواسطہ تعلق، علوم انسانی کی اسلامائزیشن کے ساتھ بھی ہو گا۔ اگر اس دلیل کے ساتھ آگے بڑھا جائے، تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ مذہب اور سائنس کے اس باہمی ربط کا مطالعہ، علوم انسانی کی اسلامائزیشن کی طرف ایک قدم بھی ہے۔ لہٰذا علوم کی اسلامائزشن کو اس تناظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے اور جدید سائنس اور دین اسلام کے مابین ہر علمی بحث کو کھلے دل کے ساتھ خوش آمدید کرنے کی ضرورت ہے تاکہ مختلف علمی اور عقلی شعبہ جات میں اسلامی تصور کو واضح انداز میں بیان کیا جاسکے اور یوں حق باری تعالیٰ کے ہر فطری (طبیعی) مظہر میں متحرک کردار کی وضاحت ممکن ہو سکے۔

عصری سماجی علوم کی اسلام کاری کی راہ میں درپیش چیلنجز

عصری سماجی علوم کی اسلام کاری کی راہ میں بہت سے چیلنجز درپیش ہیں، ان میں سے چند ایک کی نشاندہی ذیل میں کی جا رہی ہے:

اسلام کاری کا عمل: ثقافتی چیلنج اور ردِّ عمل

جدید دور کے بڑے بڑے اسلامی دانشور، تحریکات اور ادارے روایتی جعلی اسلام کو ہی دہرا رہے ہیں۔ وہ مسلم روایت پسندی اور ان کی گرد ان میں گھری ہوئی بلند مرتبہ تحریروں کی داخلی تنقید پر ہمت نہیں جٹا پاتے۔ اس کے علاوہ اس تنقید کے نتیجے میں لازمی طور پر پیش آنے والی مسلمانوں کی مخالفت اور مجادلہ کا سامنا کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اس طرح وہ حضرت ابراہیمؑ سے لے کر حضرت محمد ﷺ تک تمام پیغمبروں کی متواتر سنت کے ساتھ بے وفائی کر رہے ہیں۔ اسی طرح تعلیم یافتہ عالمی مسلم برادری اور عوام کی اکثریت محض پانچ ارکان کی مسلمان ہے، وہ بس تخصیصی مذہبیت کی پیداوار ہیں اور اسلامی دوآتشہ تہذیب سے مکمل لاعلمِ محض ہیں۔ اس کے علاوہ بنیادی طور پر سیکولر شدہ روایت پرست ہیں

جن کے نزدیک مغرب سے جو کچھ آتا ہے وہی بہترین ہے۔ عصری سماجی علوم کی اسلام کاری کا عمل دراصل اسلام کے بنیادی اور اوّلین اصولوں کی روشنی میں اسلامی تصورات اور ٹیکنالوجی کی دوآشتہ تہذیب کو ترقی دینے کا عمل ہے۔ اسلام دراصل السلم کافہ ہے۔ یعنی انسانی، معاشرتی، فطری اور ٹیکنالوجی کے علوم میں اللہ تعالیٰ کے قوانین کی مکمل تابعداری کے ذریعہ سے امن وسلامتی حاصل کرنا۔ مسلمان دورِ وسطیٰ کے اواخر ہی سے اس تصور اور مشن کو بھولنے لگے تھے اور یہ بھول موجودہ جدید دور میں مزید تیز ہو گئی۔ جیسے جیسے مسلمانوں کا تعلیمی نظام عربی زبان، قرآنی عربی اور عربی زبان میں موجود مربوط اور قدیم اسلامی نظامِ تعلیم سے دُور ہوتا گیا، علوم کی عالمگیر سطح پر اسلام کاری کی ضرورت بڑھتی چلی گئی۔

عصری سماجی نظام کا چیلنج

عصری سماجی علوم کی اسلام کاری میں ایک اور بڑا چیلنج موجودہ وقت کا سماجی نظام اور نظامِ تعلیم ہے۔ اس کے ضابطے، اس کا ڈھانچہ، اس کی پالیسیاں اور اس کے ادارے ایک سد راہ ہیں۔ بلاشبہ اسلامی نظامِ تعلیم کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ہم عمارت کو گرادیں گے اور کھجور کی چٹائیوں پر بیٹھیں گے، نہیں نہیں ایسا ہر گز نہیں ہے، لیکن ہمیں یہ ضرور دیکھنا ہوگا کہ مصنوعی ترجیحات کے طور پر جدید تہذیب نے عمارت، اس کے رنگ وروغن اور فرنیچر کی تراش خراش کو اس زمانے میں کیوں مبالغہ آمیزی کی حد تک اہمیت دے دی ہے؟ اور اس کے برعکس معلم اور تعلیم کی اہمیت کم ہے۔ کروڑوں روپے نئے نئے کیمپس بنانے میں لگ جاتے ہیں۔ لیکن تعلیم میں نفسِ مضمون، مواد اور تعلیم بہم پہنچانے کے ذریعے یعنی معلم کو نظرانداز کر دیا جاتا ہے۔ یہ دراصل ایسی ترجیحات ہیں جو غلط نظام کی بنیاد پر یہاں قائم ہوئی ہیں۔ ہماری منصوبہ سازی کا یہ ایک پہلو عصری سماجی علوم کی اسلام کاری میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔

اسلام کاری کے ذمہ داران افراد کی کمی کا چیلنج

سماجی علوم کی اسلام کاری میں ایک اور بڑا چیلنج ان افراد کی کمی ہے جن میں ایک طرف اسلام کی صحیح لگن اور اس پر پختہ یقین ہو اور دوسری طرف ان میں وہ صلاحیت ہو جو اس عصری سماجی علوم کی اسلام کاری کے عظیم کام کو سرانجام دینے کے لیے درکار ہے۔ اسلام وہ مذہب نہیں جو یہ سمجھتا ہو کہ دنیا کے ترک کرنا، دنیا سے ناواقف ہونا، یا سادہ لوح اور سادھو ہونا کوئی خوبی کی بات ہے۔ اسلام حکمت کا مذہب ہے، اسلام کہتا ہے کہ اپنے گھوڑوں کو تیار رکھو۔ اسلام مستعدی، قوت، غلبہ حاصل کرنے، ایجاد، ندرت اور انکشاف کا خواہاں ہے۔ اسلام تو چاہتا ہے کہ اس کے ماننے والوں میں بہترین صلاحیتیں، بہترین دینداری اور عبدیت کا مطلوبہ احساس موجود ہو۔ ان جواہر کو ملا کر اسلام ایک نئی قوت پیدا کرتا ہے اور آج ہم میں اس چیز کا فقدان ہے۔ عصری سماجی علوم کی اسلام کاری کی منزلِ مطلوب کی طرف بڑھنے میں یہ ایک بڑی عملی دشواری ہے۔

اسلام کاری کے اوّلین اصول: اسلامی اجتہاد و تقلید اور روایت پسندی پر تنقید

دو تہذیبوں (اسلامی تصورات اور جدید سائنس و ٹیکنالوجی) کی اسلام کاری کا عمل، فیصلہ کرنے کے اسلامی طریقوں کا بلا قید استعمال چاہتا ہے۔ ان طریقوں میں اجتہاد یعنی معاصر دور کے لحاظ سے علماء کی اسلامی رائے یا پھر دوسرے الفاظ میں مجتہدانہ خیال، اختلاف اور اجماع شامل ہیں۔ اجتہاد میں خلاقاہ اور ناقدانہ بصیرت اور ایسی تقلید شامل ہے جس کو اسلامی پیمانوں کی روشنی میں جانچ پرکھ کرنے کے بعد اختیار کیا گیا ہو۔ اسلامی پیمانوں میں فقہِ اسلامی کے اصول مثلاً عرف، تعامل، استحسان، عادت، احسان، سابقہ نسلوں کی روایت وغیرہ بھی شامل ہیں۔ ان پیمانوں کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ ہم غیر مسلموں کی اس روایت کو بھی وصول، منتقل، جاری اور ہضم کر لیں جو اسلامی اقدار کے مطابق صحیح اور برحق ہوں۔ اسلامی تقلید، تقلیدِ محض جس کو روایت پسندی کی اصطلاح کے ذریعہ ردّ کیا گیا ہے، سے مختلف ہے۔ اسلامی اجتہاد اور تقلید پر محمد ﷺ نے بھی عمل کیا ہے اور اسلامی علماء کے علاوہ معاشروں کی اوّل تا آخر نسلوں نے بھی اختیار کیا ہے۔

اجتہاد اور تقلید کے ذریعے عصری سماجی علوم کی اسلام کاری کا عمل ہر دور میں اسلامی تجدید کا عمل رہا ہے۔ اس میں اجانب بیزاری، برادریت، اصلی ہونے کے جھوٹے دعوے، مآخذ سے وصولیاتی کا انکار، طاقت کا غرور اور اس طرح کی کسی بھی چیز کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ آخری خصوصیت بالعموم وسطائی اور جدید مغربی ثقافت کا طرّۂ امتیاز رہی ہیں۔ اسلام کاری کا عمل چاہتا ہے کہ معاصر سیکولر اور دوسرے نظاموں میں جو کچھ بھی اسلام کے مطابق ملے، اس کو کھلے دل سے اظہار و اقرار اور تشکر کے ساتھ قبول کر لیا جائے۔ اسلامی اعتبار سے جائز تقلید میں روایت پسندی اس معنی میں خارج از بحث ہے کہ کسی شخص کو اعلیٰ مرتبہ اور غلطی سے پاک سمجھتے ہوئے اندھے ہو کر اس کی اطاعت کی جائے یا محض ظن کی بنیاد پر کسی شخص کے پیچھے چلا جائے۔ زوال اور انحطاط کے جدید معاصر دور میں مسلمانوں کے درمیان ایک نئی قسم کی روایت پسندی نے اپنی جڑیں مضبوط کر لی ہیں۔ یہ مغربیت اور مارکسیت کی راہوں سے آنے والی سیکولر روایت پسندی ہے۔ مسلمانوں نے اس سیکولر روایت پسندی کو جدید، ترقی پسندانہ، روشن خیالی اور مہذب جیسے فریبانہ نام دے رکھے ہیں، یہی وجہ ہے کہ مسلمان مغرب سے آنے والی ہر چیز کو عمدہ بنا کر پیش کرتے ہیں۔ عصری سماجی علوم کی اسلام کاری کا عمل دو تہذیبوں کا معاصر احیاء، اجتہاد اور تقلید کے مذکورہ بالا اصولوں کی پابندی کا متقاضی ہے۔ روایت پسندی کی سخت مذمت کیے بغیر، خواہ وہ مسلم ورثے سے ملی ہو یا معاصر سیکولر اور دوسرے سیکولر نظریہ کائنات سے دَر آئی، اسلام کاری کا عمل ناممکن ہے اور یہی اسلام کاری کا بنیادی نکتہ ہے۔

تخصیص (Reductionism) : مسلمانوں کی ہزار سالہ اور معاصر تحریف جو اسلام کاری میں رکاوٹ ڈالتی ہے

امام غزالیؒ نے اپنی کتاب "کتاب العلم" میں مسلمانوں کی مذہبی تہذیب میں تحریف کے طور پر تخصیص کا ذکر کیا ہے۔ مسلمان لفظ فقہ کو محض شریعتِ اسلامی میں محدود کر رہے تھے جب کہ محیط قرآنی اصطلاح میں اس سے مراد سمجھ بوجھ، سائنس، مضامین و موضوعات ہوتی ہے۔ یہ ہزار سالہ تحریف یعنی تخصیص آہستہ آہستہ پھیل گئی اور گہری ہو کر مزمن مرض میں تبدیل ہو گئی جس نے تمام مسلم مزاج کو فاسد کر دیا۔ چنانچہ اسلام کچھ رسموں اور مذہبیت کے ظاہری

آثار میں بدل گیا جس کو دینیات یا مذہبی مطالعات کہا جانے لگا۔ مسلمانوں کا از خود بڑھتا ہوا انحطاط بنیادی طور پر تخصیصی ذہنیت کی وجہ سے ہے جو مسلمانوں کو اسلام کی تصوراتی اور ٹیکنالوجیکل، دو تہذیبوں، سے محض لاعلم رکھے ہوئے ہے۔ ان ہر دو تہذیبوں کا قیام ہی اس بنیاد پر ہے کہ اسلامی معاشرتی و انسانی علوم کے ساتھ ساتھ اسلامی فطری علوم اور ٹیکنالوجی کو بھی سیکھا جائے اور ان کا اطلاق بھی کیا جائے۔ حل صرف یہ نہیں کہ ہم مسلم نظامِ تعلیم کے نصاب کی شکل و صورت اور ہر کورس کے مواد کو بدل دیں بلکہ ہمیں سیکھنے سکھانے کے آداب اور اصول بھی بدلنے ہوں گے۔ تخصیصی مذہبی تہذیب، تائید، تحکیم اور روایت پرستی کو نہ صرف پیدا کرتی ہے بلکہ ان کو بہ زور نافذ بھی کرتی ہے۔ اس سے دانش ورانہ سخت گیری اور دورِ وسطیٰ کے پُر وقار اسلامی دانشوروں اور ان کی کتب، تشریحات وغیرہ کی بھی مکمل و مطلق تقلید کا داعیہ پیدا ہوتا ہے۔ تخصیصی ذہنیت کے جاری رہنے کا خراب ترین پہلو یہ ہے کہ مسلمان اسلامی دو تہذیبوں سے لاعلم رہ جاتے ہیں اور نتیجے کے طور پر سیکولر دنیا کی دو تہذیبوں کے چیلنج کا جواب دینے اور اس کا مقابلہ کرنے سے نااہل رہ جاتے ہیں۔ یہ کام دونوں سطح پر ہونا چاہیے۔ غیر دستوری داخلی تعلیم کے ذریعے بھی اور دستوری تعلیم کے ذریعے بھی، جس میں مضمون وار اسلامی مطالعات ہوں۔ محض تخصیصی مذہبی مطالعات کے ذریعے اس کمی کو پورا کرنا ناممکن ہے۔

مادی وسائل کی کمی کا چیلنج

عصری سماجی علوم کی اسلام کاری کی راہ میں ایک اور چیلنج درپیش ہے جو مادی وسائل کی کمی کا ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی بھی کام کی تکمیل کے لیے مادی وسائل کا ہونا بہت ضروری ہے۔ ہم ایک پسماندہ ملک کے باشندے ہیں اور ہمیں احساس ہے کہ ہمارے پاس وسائل کی کمی ہے۔ لیکن سانحہ یہ ہے کہ ہم نے زندگی گزارنے کا جو ڈھنگ، جو سوچ اور جو فکر اپنائی ہے وہ یہ نہیں کہ ہم ایک غریب ملک کے باشندے ہیں اور ہمیں ترقی کرنی ہے، بلکہ ہر چیز میں عیش و نشاط، لذت پرستی اور ظاہر داری کو ہم محبوب سمجھتے ہیں۔ جب تک اس روش کو ترک نہیں کرتے اور اپنے محدود وسائل کو درست انداز اور درست راستے میں استعمال نہیں کرتے، ہماری ترجیحات نہیں بدل سکتیں۔ ہمیں اپنی عیش پرستی کو چھوڑ کر غلط ترجیحات کا ڈھیر ہٹانا ہوگا اور ایمان و اخلاق کی حِس اور چنگاری کو جو ان غلط ترجیحات کی راکھ نیچے دبی ہوئی ہیں، کو ایک نئی پھونک سے ہوا دینا ہوگی تاکہ یہ چنگاری پھر سے ایک نئی قوت بن جائے۔ ہمارے پالیسی سازوں کو بھی اس بارے میں سنجیدگی سے سوچنا ہوگا۔ صرف اسی صورت میں عصری علوم کی اسلام کاری کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو سکتا ہے۔

مسلمان کیے گئے علم میں کفر کی آمیزش

جدید سیکولر علوم اور دو تہذیبیں علمیاتی اور تاریخی اعتبار سے کسی حد تک تو اسلامی ہیں یا کافرانہ۔ عصری سماجی علوم کو ابتدائی صدیوں میں مسلمان کیا گیا اور اسی حالت میں وہ مشرق اور مغرب کی تہذیب کا حصہ بن گئے۔ جدید صدیوں میں ان علوم کے کچھ حصوں میں کفر کی آمیزش ہو گئی۔ مسلمانوں کی تحقیقی ذہنیت اور دنیا دشمنی کے مذہبی اثرات کے تحت

بین ثقافتی عقلی جنگ کے میدان سے ان کی علیحد گی کی وجہ بنی۔ اسلامی فکر اور خود مسلمان عالمی عقلی بالادستی اور عالمی قیادت سے محروم ہو گئے۔

اسلامی نظامِ تعلیم میں جدید عصری سماجی علوم کے اجنبی افکار سے لاتعلّقی

ماضی میں بعض مسلمان اکابرین اور مفکرین نے عصری سماجی علوم کی تشکیلِ جدید کے ضمن میں ایک صورت یہ نکالی کہ اس کے نصاب میں اجنبی افکار کے حامل مضامین کا اضافہ کر دیا۔ سر سیّد احمد خان اور مفتی محمد عبدہ اسی طرزِ فکر کی حامل شخصیات ہیں۔ اس طرزِ فکر کی تکمیل صدر جمال عبد الناصر نے کی جب اس نے جامعہ ازہر کو جو کہ اسلامی تعلیمات کا سب سے بڑا قلعہ تھا، ایک جدید جامعہ میں تبدیل کر ڈالا۔ جمال عبدالناصر اور ان کے ہزاروں ہم نواؤں کی مساعی اس مفروضہ پر قائم ہے کہ نام نہاد جدید علوم بے ضرر ہیں اور مسلمانوں کی تقویت کا سبب بنیں گے۔ جدید عصری سماجی علوم کی اسلام کاری میں یہ چیلنج بھی درپیش ہے کہ اسلام کے دانش ور تعلیمی اصلاح کے اس سہل مگر نقصان دہ طریقہ کار سے لاتعلّقی کا اعلان کر دیں۔ ان کے نزدیک تعلیم کی اصلاح جدید علوم کی اسلامی تشکیل کے مترادف ہے۔ ہمارے اسلاف نے ماضی میں اپنے دور میں پہلے علوم کو ہضم کیا اور پھر اس کو اسلامی تہذیب و تمدن کے ورثہ کی صورت میں پیش کر دیا۔ یہ کام بھی ایسا ہی ہے بس فرق یہ ہے کہ ذرا وسیع کام ہے۔ اس لیے وقت کا تقاضا یہ ہے کہ جدید عصری سماجی علوم کی از سر نو تشکیل اور اسلامی تدوین کی جائے۔ جدید عصری سماجی علوم کی نئے انداز سے صورت گری کی جائے تا کہ اس کے اندر، اس کے منہاج میں، اس کی حکمتِ عملی میں، اس کے مبادیات میں، اس کے مسائل میں، اس کے مقاصد میں اور اس کے مطالعہ میں اسلامی اصولوں کو سمویا جا سکے۔ جدید عصری سماجی علوم اور ان سے متعلقہ ہر مضمون کی تشکیل و تقویم میں اسلام کے سہ گانہ توحیدی اقدار کی شمولیت لازمی ہے۔ ڈاکٹر طٰہٰ جابر العلوانی نے عصری سماجی علوم کی تشکیلِ نو اور جدید علوم کی اسلام کاری کو وقت کی اہم ترین ضرورت قرار دیا۔ آپ اسے فکر و تہذیب کی بلندی کے لیے اہم تصور کرتے ہیں۔ ڈاکٹر طٰہٰ جابر العلوانی کو ان لوگوں سے اختلاف تھا جو یہ بحث کرتے ہیں کہ جدید عصری سماجی علوم کی اسلام کاری ایک سطحی بحث ہے۔ وہ لکھتے ہیں: "جدید سماجی علوم کی اسلام کاری کا موضوع مختلف وجوہ کی بنیاد پر زندہ موضوع نہیں بن سکا بلکہ کبھی کبھی تنقید کا ہدف بھی بنایا گیا۔ لیکن جلد ہی تنقیدی آوازیں پست ہونے لگیں کیوں کہ خود مغرب کے دانشوروں نے علوم و اقدار کے مابین ربط کی ناگزیریت پر زور دینا شروع کیا۔ اہلِ مغرب نے تسلیم کیا سماجی علوم اور مذہب و حکمت میں دوری نے انسانیت کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔" [1]

عصری سماجی علوم کو اسلامیانے (Islamization) کی حکمتِ عملی

---

[1] ڈاکٹر طٰہٰ جابر العلوانی، *جدید فکری بحران: نشان دہی اور حل*، (مترجم: عبدالحفیظ رحمانی)، قاضی پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹر، نئی دہلی، س-ن، ص: ۵

عصری سماجی علوم کی اسلام کاری عین فرض کی حیثیت رکھتی ہے۔اس کے مقابلے میں ان علوم کو سیکولر بنانا یا ان علوم کی سیکولرائزیشن عین کفر ہے۔اسلام کا انکار کر دینا، کیونکہ سیکولرازم خدا کے عمل دخل، قانون اور فیصلے کو دونوں تہذیبوں (اسلام اور سائنس) سے متعلق اسلامی تصورات کو قبول نہیں کرتا۔ عصری سماجی علوم کی اسلام کاری اس لیے بھی ضروری ہے کہ مسلمانوں کے سیکولر تصورات الدین (یعنی مکمل اسلامی نظام)، عقل و استدلال، زندگی، نسل، دولت اور عزت کو فروغ دینے میں ناکام ہو چکے ہیں۔ مسلمانوں کی مذہبی ذہنیت اور تہذیب جس میں تخصیصیت اور محدودیت غالب ہے، کچھ مضمرات کے اعتبار سے سیکولرازم سے بھی بدتر ہے۔یہ اسلامی سائنس ہی تھی کہ جس نے دورِ وسطیٰ میں عقلی جز کو اس طرح ترقی دی کہ سائنس سے جادو، شعبدہ گری اور اوہام کو الگ کر دیا۔اس طرح کا عقلی اور نقلی علم جو سائنس اور ٹیکنالوجی کا حصہ ہے آج بھی سماجی علوم کا حصہ ہے اور مسلمانوں کو اس سے بھی تھوڑی بہت تبدیلی کے ساتھ استفادہ کرنا چاہیے۔البتہ دوسرا اجزو ایسا ہے کہ جس کو اسلام کاری کے عمل سے گزارنا بہت ضروری ہے تاکہ اس میں فلسفہ و تصورات کو داخل اور اسلامی اخلاق و اقدار کو نافذ کیا جاسکے۔عصری سماجی علوم کی تمام اقسام کو قرآنی تصورِ خدا اور متعلقہ گردانوں کے زیرِ اثر ضرور اسلامائزیشن کو جاننا چاہیے۔کوئی بھی علم یا علم کی کوئی بھی شاخ چاہے وہ عصری سماجی علوم ہوں یا فطری اور سماجی علوم، کسی علم کا کوئی بھی پہلو اسلامی جرح و تعدیل سے آزاد نہیں ہو سکتا۔عصری سماجی علوم کی اسلام کاری کے لیے ڈاکٹر طٰہٰ جابر العلوانی فرماتے ہیں کہ عصری سماجی علوم میں اقدار کی کمی کی وجہ سے مغرب میں بھی اضطراب اور بے اطمینانی پیدا ہوئی ہے۔العلوانی فرماتے ہیں کہ مغرب کی ترقی کی وجہ سے سماجی اور سماجی میدان میں مغربی علوم کے بعض عیوب و نقائص پر پردہ پڑ جاتا ہے لیکن عالمِ اسلام کے تناظر میں انسانی علوم کی خامیاں زیادہ واضح شکل میں موجود ہیں۔عصری سماجی علوم کی اسلامی تشکیل کے لیے ڈاکٹر طٰہٰ جابر العلوانی نے درج ذیل راہ دکھائی ہے:

۱۔ کتاب و سنت کو نظریات کی بنیاد قرار دیا جائے، نفسیاتی علوم اور سماجی علوم کے مسائل کو حل کرنے کے لیے کتاب و سنت کو بنیاد بنایا جائے۔

۲۔ ہمیں اپنے علمی و تہذیبی ورثہ پر نظر ڈالنی چاہیے۔

۳۔ ہمیں مغربی تہذیب، اس کے افکار و نظریات اور اس کے مناہج پر بصیرت کی روشنی میں تنقیدی نظر ڈالنی ہو گی اور سماجی علوم کو کتاب و سنت کے میزان پر پرکھنا ہو گا۔

۴۔ عصری سماجی علوم کی اسلام کاری کے لیے علم و آگہی کے بنیادی مآخذ کو بنیاد بنایا جائے۔[2]

ڈاکٹر اسماعیل راجی الفاروقی نے جدید سماجی علوم کی اسلام کاری کے لیے درج ذیل رہنما اصول پیش کیا ہیں:

پہلا قدم: جدید علوم پر کامل دسترس، تقسیم اجزاء

---

[2] ڈاکٹر طٰہٰ جابر العلوانی، *حدید فکری بحران: نشان دہی اور حل*، (مترجم: عبدالحفیظ رحمانی)، ص: ۴۴

اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ موجودہ ازحد ترقی یافتہ مغربی علوم، جن میں عصری سماجی علوم بھی شامل ہیں، کو پہلے اصناف، اصول، مناہج، مسائل اور موضوعات میں تقسیم کر دیا جائے۔ اس تقسیم کو تدریسی کتاب میں درج موضوعات اور مناہج کو سامنے رکھ کر تیار کرنا چاہیے، یعنی ہر علم کا وہ نصاب جو ایک گریجوایٹ طالب علم کے لیے جاننا ضروری ہے۔ اس تقسیم کو نہ تو کتابی ابواب میں لکھنا چاہیے، نہ ہی فنی زبان میں لکھنا چاہیے۔ بلکہ وضاحتی جملوں کے ذریعے اعلیٰ ترین مغربی علوم کے قضایا، فنی اصطلاح، اصول، مسائل اور موضوعات کو بیان کیا جائے۔[3]

دوسرا قدم: علوم کا جائزہ

تیسرا قدم: اسلامی ورثہ پر دسترس، ایک انتخاب

ہر مضمون کا لازماً جائزہ لیا جانا چاہیے۔ اس پر ایسے مضامین لکھے جانے چاہییں جن میں واضح خطوط میں اس علم کے آغاز، ارتقاء کی تاریخ، اس کے منہاج کی ترقی، موضوع علم کے اُفق کی وسعت پذیری اور اس کے ماہرین کے خاص خاص عطیات نمایاں طریقہ پر بیان کیے جائیں۔ سماجی علوم کے ہر شعبہ علم سے متعلق اہم ترین تصنیفات پر مبنی فہرست کتب کی تیاری بھی اس جائزہ کا حصہ ہونا چاہیے۔ اس فہرست میں ایک ترتیب اور تقسیم کے ساتھ ان تمام کتابوں اور مضامین کو بھی درج ہونا چاہیے جن پر اس علم کی تحصیل کا انحصار ہے اور جن کے بغیر متعلقہ علم پر عبور حاصل کرنا سخت دشوار ہے۔ اس طریقہ سے مسلمان دانش ور متعلقہ سماجی علوم کو ٹھیک انداز میں سمجھے گا اور اس پر عبور حاصل کرے گا جس انداز میں وہ مغرب میں پروان چڑھا ہے۔ اس طرح واضح طور پر بیان کردہ علم کا ثابت شدہ حصہ مع ترجیحی نوٹ اور حاشیہ کے ایک ایسے علم کا جائزہ ہوگا جو اس علم کی تفہیم کے لیے ان ماہرین کے واسطے ایک بنیاد کا کام دے گا، جو علوم کی تشکیل اسلامی کے خواہاں ہیں۔ چونکہ علوم آج مغرب میں کئی زرق برق اشیاء کا مجموعہ بن چکے ہیں اور علم کا لاوا پھوٹ پڑا ہے، اس لیے ان علوم پر بحث کرنے والے مسلمان دانشوروں کا فرض ہے کہ وہ پہلے ان کی بنیاد مقرر کریں اور پھر ان کا تشخص، تاریخ، حدودِ اربعہ تفصیل موضوع بیان کریں اور ساتھ ہی عصری سماجی علوم کی اسلام کاری کے لیے تحدید کار متعین کریں اور اس پر متفق ہو جائیں۔[4] کسی بھی علم کا اسلام سے تعلق بیان کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ اس علم سے متعلق اسلامی ورثہ کیا بتاتا ہے۔ اسلامی تعلق بیان کرنے کے لیے اسلاف کا ورثہ ہمیشہ نقطہ آغاز بننا چاہیے۔ اگر اسلامی ورثہ کو نظر انداز کر دیا جائے اور اسلاف کی بصیرت سے استفادہ نہ کیا جائے، تو ہم عصری سماجی علوم کی اسلامی تشکیل نہیں کر سکتے۔ بعض جدید سماجی علوم کی اقسام موضوعات حتیٰ کہ بعض دفعہ تو اس علم کا نام بھی اسلامی ورثہ میں نہیں ہوتا اور مغربی تربیت یافتہ مسلمان دانشور بسا اوقات اسلامی ورثہ تک رسائی حاصل کرنے میں ناکام ہو جاتا ہے۔

---

[3] ڈاکٹر اسمٰعیل راجی الفاروقی، *علوم جدیدہ کی اسلامی تشکیل: عام اصول اور خطوط کار*، (مترجم: پرفیسر سید محمد سلیم)، کتاب محل، ادارہ تعلیمی تحقیق، تنظیم اساتذہ، پاکستان، ۲۰۱۸ء، ص: ۸۹

[4] ڈاکٹر اسمٰعیل راجی الفاروقی، *علوم جدیدہ کی اسلامی تشکیل: عام اصول اور خطوط کار*، (مترجم: پرفیسر سید محمد سلیم)، ص: ۹۰

اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس کو زبردست ترغیب مل جاتی ہے کہ وہ مایوس بیٹھے یہ خیال کرے کہ اس مسئلہ پر اسلامی ورثہ خاموش ہے۔ حالانکہ حقیقت حال یہ ہے کہ وہ اسلامی ورثہ میں اس سے متعلق جو موضوعات اختیار کیے گئے ہیں جس کے تحت وہ مواد ہے، جو اس کے موضوع سے متعلق ہے، وہ ان سے ناواقف ہے۔ عصری سماجی علوم کی اسلام کاری کے لیے ضروری ہے کہ ان علوم سے متعلق اسلامی ورثہ میں منتخب اجزاء پر مشتمل کثیر تعداد میں مختلف مجموعے تیار کیے جائیں۔ یہ مجموعے جدید مسلمان دانشوروں کی رسائی اسلامی ورثہ تک کرا دیں گے، جو اس کی تحقیقات کا خاص موضوع ہے۔ چونکہ مسلم دانشوروں کے پاس نہ اتنا وقت ہے اور نہ ہی ضروری علوم ہیں کہ وہ از خود اسلامی ورثہ تک رسائی حاصل کر سکیں، اس لیے مجوزہ مجموعوں کی تیاری کے بسیکولر ورثہ سے نہ تو واقفیت ممکن نہیں بلکہ عصری سماجی علوم کی اسلام کاری بھی ممکن نہیں۔[5]

چوتھا قدم: اسلامی ورثہ علم پر ماہرانہ عبور۔۔۔ تجزیہ

جدید سماجی علوم کی اسلام کاری کے لیے کافی نہیں کہ صرف جدید سماجی علوم میں اسلامی ورثہ کے اہم اقدامات نقل کر دیئے جائیں بلکہ اس سلسلہ میں اور بھی بہت کچھ کرنا ابھی باقی ہے۔ اسلاف نے اپنے فہم و بصیرت سے پیش آمدہ مسائل کی اسلام کاری کی بھرپور کوشش کی ہے۔ یہ کام انہوں نے اس صورت میں کیا جب کہ ہر قسم کے عوامل اور قوتیں ان پر اثر انداز ہو رہی تھیں۔ ان کی نکھری ہوئی شفاف اسلامی بصیرت کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ان کے فیصلوں کا تاریخی پس منظر میں تجزیہ کیا جائے اور مسائل پیش آمدہ کا زندگی کے دوسرے شعبوں سے اور افکار سے تعلق بیان کیا جائے اور واضح کیا جائے کہ اسلامی ورثہ کا تاریخی تجزیہ اسلامی بصیرت کے متعدد گوشوں کو یقیناً روشن کر دے گا اور اسلامی بصیرت کو سمجھنے میں مدد دے گا۔ یہ بتائے گا کہ ہمارے اسلاف نے کس طرح جدید سماجی علوم کو سمجھا اور اور اس سے متاثر ہوئے بغیر ان کی اسلام کاری کی کوشش کی۔

جدید سماجی علوم کو اسلامی کرتے ہوئے اسلامی ورثہ کا مجوزہ تجزیہ بلا سوچے سمجھے اختیار نہیں کیا جا سکتا۔ ترجیحات کی ایک صعودی ترتیب کو پہلے تیار کرنا چاہیے۔ پھر مسلم دانشوروں کو دعوت دینی چاہیے کہ وہ اس کام کو اس ترتیب سے ہاتھ میں لیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ عمومی اصول، اہم مسائل اور جاری موضوعات۔۔۔ وہ مسائل ہیں جن کے واسطے سے موجودہ مسائل اور موضوعات کا تسلسل ہے، جن امور کے واسطہ سے موجودہ مسائل کا اسلام سے کوئی تعلق ہو سکتا ہے، ان کو اسلام کی تعلیمی اور تحقیقی حکمت عملی کا موضوع بننا چاہیے۔[6]

پانچواں قدم: مختلف علوم کے ساتھ اسلام کا خصوصی تعلق واضح کرنا

---

[5] علوم جدید کی اسلامی تشکیل: عام اصول اور خطوط کار، (مترجم: پرفیسر سید محمد سلیم)، ص: ۹۰

[6] ایضاً، ص: ۹۲-۹۳

مذکورہ بالا چاروں تمام اقدام کا مطلب یہ ہے کہ مسئلہ پوری طرح اسلامی مفکر کے سامنے آجاتا ہے۔ یہ اقدام اس کے سامنے علوم کے ارتقاء کو پیش کرتے ہیں جس سے مسلمان اپنی غفلت کے سبب پیچھے رہ گئے۔ اس کو پوری قوت اور وثوق سے یہ بات بتادیتے ہیں کہ سماجی علوم کے موضوعات میں اسلامی ورثہ کا کتنا حصہ ہے اور اس علم کے اپنے مقاصد کے حصول میں اسلامی ورثہ کا کیا کردار رہا ہے۔ سماجی علوم کے اس علم کو کارآمد بنانے اور اس کی اسلام کاری کے لیے ضروری ہے کہ اس کہ جدید علوم کی طرز پر مرتب کیا جائے۔ اس سلسلہ میں سماجی علوم کے مزاج، اصول، مسائل، مطمع نظر، توقعات، اس کی کامیابیاں اور نقائص، ہر چیز کی اسلام کاری ضروری ہے اور ان تمام چیزوں کا اسلامی ورثہ سے تعلق قائم کرنا چاہیے اور ورثہ کا متعین تعلق ہر جزو کے ساتھ ورثہ کے عمومی حصہ کے ساتھ منضبط کرنا چاہیے۔ اس سلسلہ میں متعدد سوالات کے جوابات درکار ہیں مثلاً پہلا یہ کہ اسلامی علوم کا ورثہ قرآن مجید سے لے کر جدید دور تک، جدید سماجی علوم کے موضوعات کے پورے دائرے میں کیا حصہ پیش کرتا ہے؟ دوسرا سوال یہ کہ اسلامی ورثہ کے حصے کا جدید سماجی علوم کی کامیابیوں کے ساتھ کس قدر تقابل یا تخالف ہے، کہاں اسلامی ورثہ ناکام رہا، پیچھے رہ گیا یا جدید سماجی علوم کے مجموعی تصور اور دائرہ کار کے آگے بڑھ گیا ہے؟ تیسرا سوال یہ کہ سماجی علوم کے جن گوشوں اور پہلوؤں میں اسلامی ورثہ نے کوئی توجہ نہیں دی، کوئی کوشش نہیں کی، کیا اب وہاں مسلمانوں کو اپنی توجہ صرف کرنی چاہیے تاکہ خلاپُر ہو سکے اور مسائل کی تشکیلِ جدید ہو اور مجموعی تصور میں وسعت پیدا ہو؟[7]

چھٹا قدم: جدید علوم کا تنقیدی محاسبہ، فنی وضع، فنی کیفیت

اب جب کی جدید سماجی علوم اور اسلامی ورثہ دونوں پوری طرح سامنے آگئے، دونوں کے اصول، موضوعات، مسائل اور کامیابیوں کا تعین ہوچکا ہے، جائزہ تجزیہ ہوچکا ہے اور آخری طور پر یہ کہ اس علم سے اسلام کا تعلق بھی واضح کیا جاچکا ہے تو اب یہ مرحلہ باقی ہے کہ ان جدید سماجی علوم کا تنقیدی مطالعہ کیا جائے۔ جدید سماجی علوم کی اسلام کاری میں یہ ایک اہم قدم ہے۔ سابقہ پانچ اقدامات درحقیقت اس کی راہ تیار کر رہے تھے۔ تاریخی ارتقاء بیان کرتے وقت حالات کے تقاضے بیان کیے جائیں، جنہوں نے اس علم کو موجودہ شکل دی۔ اس کا طریقہ کار کن چیزوں کو مواد اور مسائل قرار دیتا ہے۔ پھر ان کو کن اصناف اور گروہ میں تقسیم کرتا ہے، کن چیزوں کو وہ نظریہ قرار دیتا ہے، یعنی وہ اصول اولیہ جن کے تحت وہ مسائل کو حل کرتا ہے، ان تمام کا تجزیہ ہونا چاہیے۔ پھر ان کی تخفیف، موزونیت، معقولیت اور تسلسل کے نقطۂ نظر سے جانچ کی جائے اور آخر میں ان پانچ وحدتوں کے مطابق جانچا جائے، جو اسلام سکھاتا ہے۔ علم کے غالب مسائل مستقل موضوع کا تجزیہ کیا جائے، ان کے دعوے، اہمیت اور علم کے مجموعی تصور سے متعلق ہونے کی بناپر علم کے حتمی مقصد کا تعلق اور اس کے منہاج سے تنقیدی طور پر قائم ہوجانا چاہیے اور اس کے ظاہری مقاصد سے بھی تنقیدی طور پر قائم ہونا چاہیے۔ کیا اس نے بانیان کے پیشِ نظر مقاصد پورے کر دیئے؟ کیا اس نے تلاشِ علم کی مجموعی تحریک یعنی انسانی

---

[7] ڈاکٹر اسمٰعیل راجی الفاروقی، علوم جدید کی اسلامی تشکیل: عام اصول اور خطوط کار، (مترجم: پرفیسر سید محمد سلیم)، ص: ۹۳-۹۴

جستجو میں اپنا کردار ادا کیا ہے؟ کیا اس نے انسانی توقعات حاصل کر لی ہیں جن کے لیے انسان کی جدو جہد جاری ہے؟ افادہ علم و تاریخ کے لیے کیا اس نے تخلیق میں سنت الٰہی کا قائم کر دیا ہے، جو اسے کرنا چاہیے تھا؟ ان سوالات کے جواب اسلامی نقطۂ نظر سے اس علم کی درست اور واقعی کیفیت پیش کر دیں گے جہاں اسلامی نقطۂ نظر سے جدید سماجی علوم کی تصحیح، ترمیم، اضافہ، حذف اور پھر اسلام کاری ممکن ہو سکے گا۔[8]

ساتواں قدم: اسلامی ورثہ کا تنقیدی محاسبہ

اسلامی ورثہ سے ہماری مراد اوّلین درجہ میں کلامِ الٰہی قرآنِ مجید اور رسول ﷺ کی سنت ہے یہ دونوں تنقید اور محاسبہ سے بالاتر ہیں۔ قرآنِ مجید کے کلامِ الٰہی ہونے اور سنتِ رسول ﷺ کا عملی معیار ہونے کسی شک و شبہ سے بالاتر ہے لیکن ان دونوں سر چشموں کے بتائے ہوئے اصولوں کی روشنی میں ان پر بھی تنقید ہو سکتی ہے اور ان کی قدر و قیمت کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ یہی حال ہے اسلامی ورثہ کے بقیہ اجزاء کا کہ جن کا استخراج مذکورہ بالا دونوں ماخذوں میں سے کسی ایک یا دونوں سے ہوا ہے۔ انسانی کوشش کا حصہ تبصرہ اور تنقید کا محتاج ہے۔ کیونکہ وہ مسلمانوں کی زندگیوں میں وہ حرکی کردار ادا نہیں کر رہا جو سابق دور میں رہ کر وہ کر چکا ہے اور جس کے ادا کرنے کی آج بھی توقع کی جارہی ہے۔ اب اگر ورثہ ناقص ہو یا غلط ہو تو کوشش کر کے اس کی اصلاح کرنی چاہیے۔ لیکن اگر ورثہ کافی ہے تو مزید ترقی اور تخلیقی طور پر نکھار ضروری ہے۔ جدید سماجی علوم کے سلسلہ میں مستقبل کے تقاضوں کے لیے بہر کیف کوئی اسلامی مؤقف آج کار گر نہیں ہو سکتا جب تک کہ ان علوم کو اسلامی ورثہ سے مربوط نہیں کیا جاتا۔ ایسا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کی بنیاد اسلامی ورثہ کے عمیق مطالعہ پر ہو۔ اس کی خوبیاں واضح ہوں۔ مزید برآں حال اور استقبال کا اسلامی مؤقف ایسی شکل اختیار کرے کہ اسلامی ورثہ سے اس کا تسلسل باقی رہے، نہ کہ یہ ورثہ سے کلی انحراف اختیار کیا جائے۔[9]

آٹھواں قدم: امت کے بڑے بڑے مسائل کا جائزہ

غفلت سے بیدار ہونے کے بعد امت آج ہر جانب سے مہیب مسائل کا شکار نظر آتی ہے۔ اس کے معاشی، عمرانی، سیاسی جوروں کے ساتھ ساتھ تعلیمی میدان میں پسماندگی نہایت شدید ہے تعلیمی مسائل کی اس بلند چوٹی میں جدید سماجی علوم بھی ایک اہم مسئلہ ہیں جس کے اسباب و علل کو مغلوبہ اور ان کا ظہور اور دوسرے مظاہرات اور نتائج کی جدلیاتی منطق، ان سب امور کا استقرائی جائزہ اور پھر تنقیدی تجزیہ نہایت ضروری ہے۔ علوم کی حکمت کو جدید سماجی علوم کی اسلام کاری کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ امت نہ صرف ان مسائل کو سمجھے بلکہ امت پر ان اثرات کا صحت کے ساتھ تعین کر سکیں اور دنیا میں اسلامی مقصد پر ان کے اثرات کا صحیح تعین کر سکیں۔ خاص طور پر علوم کے مسائل پر اور ہمارے تعلیمی اداروں پر جہاں اسلام سے بیگانگی کی کوشش جاری ہے اور جہاں جہاں جدید سماجی علوم کی

---

[8] ڈاکٹر اسمٰعیل راجی الفاروقی، *علوم جدیدہ کی اسلامی تشکیل: عام اصول اور خطوط کار*، ص: ۹۳-۹۴

[9] ایضاً، ۹۵-۹۶

اسلام کاری کی کوششیں بھی جاری ہیں۔ اس کے ساتھ ہماری توجہ ان اصل مسائل پر مرکوز ہونی چاہیے جو امت کے سیاسی، معاشی، فکری، ثقافتی اور روحانی مسائل کو متاثر کر رہے ہیں بلکہ ہر شعبہ زندگی کے مسائل پر ہماری توجہ ہونی چاہیے تاکہ نہ صرف ہم ان مسائل پر قابو پا سکیں بلکہ تعلیمی مسائل جیسے جدید سماجی علوم سے بھی درست طور پر عہدہ برآہ ہو سکیں۔[10]

نواں قدم: انسانیت کے مسائل کا جائزہ

اسلام کا تصور حقیقت کا جزوِ لاینفک ہے کہ مسلمانوں پر نہ صرف امتِ مسلمہ کی فلاح و بہبود کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے بلکہ تمام انسانوں کی بھلائی بھی ان کے پیشِ نظر رہنی چاہیے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی امانت ساری کائنات پر محیط ہے۔ اس لیے مسلمانوں کی ذمہ داری بھی اسی کے مطابق ہے۔ یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ امتِ مسلہ دیگر مسائل کے ساتھ ساتھ تعلیمی مسائل میں بھی بہت سست اور پیچھے ہے لیکن حاملِ حق و صداقت اور حاملِ نظریۂ حقیقت ہونے کی بنا پر اس امت کا کوئی ثانی نہیں۔ اس لیے ایک مفکر کی ذمہ داری ہے کہ وہ نہ صرف دیگر مسائل کے ساتھ جدید سماجی علوم کی اسلام کاری کے لیے نئے خطوط کا تعین کرے بلکہ وہ دنیا کے دیگر مسائل کا سامنا کرنے کے ساتھ ساتھ ان کو اسلامی طریقہ و فکر کے مطابق حل کرنے کی کوشش بھی کرے۔[11]

دسواں قدم: تخلیقی تجزیہ اور تالیف

جدید سماجی علوم اور اسلامی ورثہ سے مکمل واقفیت اور مہارت حاصل ہو جانے کے بعد، ان کی قوت و ضعف کا درست اندازہ لگا لینے کے بعد اور علم کے مخصوص شعبہ کا تعلق اسلام سے قائم کر لینے کے بعد بحیثیت خلیفۃ اللہ فی الارض تاریخ میں اپنا سفر جاری رکھنے کے لیے امت کے سامنے مسائل کا ادراک حاصل کر لینے کے بعد، اسلامی نقطۂ نظر سے امت کے مسائل کا تجزیہ کر لینے کے بعد، انسانی تاریخ میں شہداء علی الناس کا اہم قرآنی فرض ادا کرنے کے لیے اب زمین اس مقصد کے لیے تیار ہو گئی ہے کہ مسلم مفکر اپنا تخلیقی فکری کردار ادا کرے۔

اسلامی اور جدید سماجی علوم کے درمیان ایک نوع کا تخلیقی امتزاج پیدا کرنا ضروری ہے۔ جو صدیوں کی کامیابیوں کے عدم ارتقاء کے خلا کو پاٹ دے گا۔ اسلامی علوم کے ورثہ کا جدید سماجی علوم کے ورثہ سے ارتباط بہت ضروری ہے تاکہ علم کی حدود کو نئے اُفق تک وسیع کیا جا سکے جہاں تک ابھی جدید سماجی علوم کی نگاہ نہیں پہنچی۔ اس تخلیقی آمیزہ کا تعلق امت کی حقیقت سے قائم رہنا ضروری ہے۔ بعض عنوانات اور مسائل کے ساتھ اسلامی ورثہ کے تعلق کی موجودگی میں اور پیشِ نظر مسئلہ کے مخصوص پہلوؤں کی موجودگی میں کون کون سے متبادل راستے مسلمان کو اختیار کرنا چاہیے، یقیناً ہر صورتِ حال میں کثرت سے متبادل اختیارات موجود ہوتے ہیں ان میں سے بعض اسلامی صورت کے قریب ہوتے

---

10 ڈاکٹر اسمٰعیل راجی الفاروقی، علوم جدیدہ کی اسلامی تشکیل: عام اصول اور خطوط کار، ص: ۹۶-۹۷

11 ایضاً، ص: ۹۷-۹۸

ہیں اور بعض بہت دور۔ کم یا زیادہ سب ہی کار گر ہوتے ہیں یا مزاحمت کرتے ہیں۔ ان میں سے کون سا انتخاب قابلِ عمل ہے اور کون سا ضروری یا ناگزیر ہے یا پھر کون سا انتخاب پسند یا ناپسند ہے؟ کس معیار کے مطابق مسئلہ زیرِ بحث کا اسلام سے تعلق معلوم کیا جا سکتا ہے؟ کس طریقہ سے مجوزہ حل کی کامیابی جانچی جا سکتی ہے؟ کن اصولوں کی بناپر تخلیقی آمیزہ کا حصہ پیش کیا جاتا ہے، جانچا جاتا اور پرکھا جاتا ہے؟ کس طرح صحیح ترمیم و اصلاح تجویز کی جانی چاہیے؟ ان کی ترقی اور کامیابی کی کس طرح نگرانی اور جانچ کی جا سکتی ہے؟ [12]

گیارہواں قدم: اسلامی خطوط کے مطابق علوم کی تشکیلِ جدید

یہ بات فطری ہے کہ تمام اسلامی تربیت یافتہ اذہان ہمیشہ ایک ہی نتیجہ پر نہیں پہنچیں گے یا ایک ہی چیز کا انتخاب نہیں کریں گے، جب کہ وہ اسلام کا امت کے حال اور استقبال کے مسائل پر انطباق کرتے ہوں گے۔ یہ اختلاف ناپسندیدہ نہیں۔ بلکہ بڑی خوشی سے بڑی حد تک خوش آئند ہے۔ ہمیں تو اسلام پر ایمان رکھنے والے جدید سماجی علوم کے تربیت یافتہ افراد کے اذہان سے نکلے ہوئے درجن بھر مختلف تنقیدی تجزیے درکار ہیں تاکہ امت کا شعور اپنے نصب العین اور اپنی ضروریات کے مختلف پہلوؤں سے باثروت ہو۔ فی الواقع امت قرنِ اول ہجری کے دور کی زندہ سر گرمی فعالیت تک نہیں پہنچ سکتی جب تک کہ اسلام تمام مسلمانوں کے لیے ایک ہانڈی کی مثال نہ بن جائے جس میں سے ہر وقت نئے افکار، نئے خیالات کے بلبلے اُٹھتے رہیں اور ان میں سے کوئی اللہ کی سنت کی عملی تعبیر بن سکے۔ جب تک ایک لامحدود اخلاقی اور تخلیقی متبادلات کے لیے ایک جان نہ بن جائے، جہاں سے اقدار کو تاریخ کے دھارے کے اندر تجسیم و تعمیل کی شکل دی جائے۔ اسلام کے مفہوم کی نئی بصیرت کے عمل سے اور اس مفہوم کو روبہ عمل لانے کے لیے تخلیقی متبادل انتخاب سے جدید سماجی علوم کی اسلام کاری کے لیے کلیاتی یا جامعاتی تدریسی کتب لکھی جائیں۔ ایسے متبادل مضامین جو کسی موضوع، شاخ یا مسئلہ پر افراد کے تخلیقی نقطۂ نظر کو پیش کرتے ہوں، ان کا انبار لگ جانا چاہیے۔ تاکہ یہ بصیرتی پسِ منظر اسلامی ربط کے لیے میدان کا کام دے۔ پھر اسی میں سے اس علم کے لیے اسلامی بصیرت کا استخراج عمل میں آئے۔

جدید سماجی علوم کی اسلام کاری کا کام ایک درسی کتاب لکھ دینے سے پورا نہیں ہو سکتا، خواہ سابقہ ہدایات کا پورا خیال رکھا گیا ہو۔ اس کام کے لیے بیسیوں درسی کتب درکار ہیں تاکہ اسلامی ذہن کی قوت حیات کا اظہار ہو۔ مزید یہ کہ جامعات کے مختلف درجات کی ضروریات پوری کرنے کے لیے کتنی ساری کتابیں درکار ہیں، اس بات کو ذہن میں رکھا جائے۔ مسلمانوں کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے بہت سی کتب درکار ہیں، یہ ضروریات بے اندازہ ہیں۔ اسی طرح اسلامی تصورات اور بصیرت کو واضح انداز میں پیش کرنے کے لیے بھی بہت سی کتابیں چاہییں۔ اس وضاحت کی بھی کوئی حد نہیں۔ تاہم اصول ترجیح کا تقاضا ہے کہ ہماری اولین ترجیح اور کوششیں جدید سماجی علوم میں معیاری تدریسی کتاب کی تیاری پر مرکوز ہونی چاہیے۔ جو ان علوم سے اسلام کے تعلق کو واضح کر دے گی اور اسلامی اذہان کا آئندہ پیروی کرنے کے لیے

[12] ڈاکٹر اسمٰعیل راجی الفاروقی، علوم جدید کی اسلامی تشکیل: عام اصول اور خطوط کار، (مترجم: پرفیسر سید محمد سلیم)، ص: ۹۸-۹۹

ایک نمونہ قرار پائے گی۔اس بات کو کہنے کی کوئی ضرورت نہیں کہ جامعات کی تدریسی کتب کی تیاری پر قبضہ جمانے کے لیے سابق میں ذکر کیے گئے اقدامات کو نظر انداز کر کے عجلت میں کتابیں تیار کرنے کا مطلب ہو گا کہ اس سلسلہ میں معمولی کوشش کی گئی۔ جامعاتی تدریسی کتب کی تیاری درحقیقت جدید سماجی علوم کی اسلام کاری کے طویل عمل کا آخری مرحلہ ہے، یہ وہ عمل ہے جو مذکورہ بالا تمام مراحل کی تحقیق و جستجو کو کامرانی کا تاج بخشتا ہے۔[13]

بارہواں قدم: اسلام کاری شدہ علم کی ترویج واشاعت

یہ ایک کاہلی کی بات ہو گی کہ خواہ کتنا ہی بڑا کام ہو کہ یہ تمام کتب جو مسلمان دانشوروں نے تیار کی ہیں، وہ انکی ذاتی لائبریریوں کی زینت بنی رہیں اور یہ بھی افسوس کی بات ہو گی کہ ان کا علم مصنف کے چند دوستوں کو یا ان کا استعمال صرف اطراف میں یا اس کے ملک میں ہو۔ جس کام کو خدا کے لیے تیار کیا گیا اس پر پوری امت کا حق ہے اور وہ کام پوری امت کی ملکیت ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کے ہاں ثواب صرف اسی صورت میں مل سکتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ مخلوقِ خدا اس سے مستفید ہو سکے۔ مسلمان کو فکری کاوش کا مادی معاوضہ مل سکتا ہے بلکہ ضرور ملنا چاہیے لیکن فکری کوششیں اسلام میں منافع کی غرض سے محدود نہیں کی جاسکتیں۔ یہ چیز اس پر یہ شرط عائد کرتی ہے کہ اس کو عام رہنا چاہیے اور جو شخص اس کو طبع کرنا چاہے وہ کرلے۔ دوسری بات یہ کہ جس فکری عمل کو مذکورہ اقدامات کے ذریعہ پیش کرنے کی ترغیب دی گئی جس کے ذریعہ ساری دنیا کے مسلمانوں کو بلکہ سارے انسانوں کو جگانا، روشن فکر بنانا اور پُر از معلومات بنانا ہے، اس کے قاری ہی اس مصنوع کے صارفین ہیں۔ چونکہ جدید سماجی علوم کی اسلام کاری کا عمل اسلامی ہے، اور اسلامی تصور وبصیرت کا حامل ہے، اس لیے اس کا کام صرف معلومات بہم پہنچادینا نہیں بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ ہے۔ اسلام کے مجموعی تصور کے روبرو ہونے کے بعد انسانی شعور کو بیدار ہو جانا چاہیے۔ اس میں ہیجان برپا ہو جانا چاہیے اور اس سے ایسی مخفی قوتوں کا اظہار ہونا چاہیے جو اب تک پوشیدہ چلی آرہی تھیں۔ اس کے زیرِ اثر فرد رضائے الٰہی کے حصول کے لیے ایک آلہ کار کی حیثیت رکھتا ہے اور پیش قدمی کرنے کے لیے آمادہ ہو جاتا ہے۔ وہ اللہ کے نام پر وہ کام کر جاتا جس کا کبھی کسی نے سوچا بھی نہ ہوگا۔ یہی سبب ہے کہ جدید سماجی علوم کا جو علمی خاکہ پیش کیا جارہا ہے اور اس کے زیرِ اثر جو کچھ بھی لکھا جائے، وہ مسلم جامعات کے ہر صاحبِ علم و دانش کے پاس بلا قیمت پہنچے۔ اس دانشور کے ہاتھ میں مقالہ، مضمون، پمفلٹ، مجموعہ انتخاب یا کتاب کا پہنچنا اس بات کی شخصی دعوت کے مترادف ہے کہ وہ بھی اس مہم میں شریک ہو جائے اور اس سے بہتر چیز تیار کرے۔ یہی قیمت اس تحریر کی ہے جو اس تک پہنچی ہے۔ مجوزہ علمی پیش کش کو سارے مسلمان دانشوروں کے ہاتھوں میں پہنچ ہی جانا چاہیے اور یہی اس کام کا صلہ ہے۔ یاد رہے کہ یہاں مادی منافع کی بات نہیں ہو رہی بلکہ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی بصیرت سے متاثر ہونے کے بعد کیے جانے والے کام کا اس سے بڑا صلہ اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ دوسرے لوگوں کے اذہان اور خیالات میں علمی بصیرت کو راسخ کردے۔

---

[13] ڈاکٹر اسمٰعیل راجی الفاروقی، *علوم جدید کی اسلامی تشکیل: عام اصول اور خطوط کار*، ص: ۹۹-۱۰۱

اس سے بڑھ کر اور کوئی فرض نہیں ہو سکتا کہ دنیا کے مسلمان کے شعور میں اس بصیرت کو پروان چڑھا دے۔ جدید سماجی علوم کی اسلامی تشکیل کے لیے یہ قدم انتہائی ضروری ہے۔[14] جدید سماجی علوم کی اسلام کاری کے لیے سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے جو نظریہ پیش کیا وہ مغرب سے مرعوب مفکرین سے ذرا مختلف تھا۔ آپ فرماتے ہیں: "اگر آپ اس نظامِ تعلیم کو من و عن اختیار کر کے اپنی نوخیز نسلوں میں پھیلائیں گے تو ان کو ہمیشہ کے لیے ہاتھ سے کھو دیں گے۔ آپ ان کو وہ فلسفہ پڑھاتے ہیں جو کائنات کے مسئلہ کو خدا کے بغیر حل کرنا چاہتا ہے۔ آپ وہ سائنس پڑھاتے ہیں جو معقولات سے منحرف اور محسوسات کا غلام ہے۔ آپ ان کو تاریخ، سیاست، معاشیات، قانون، اور تمام علومِ عمرانیہ کی وہ تعلیم دیتے ہیں جو اصول سے لے کر فروع تک اور نظریات سے لے کر عملیات تک اسلام کے نظریات سے یکسر مختلف ہے۔ اس کے بعد آپ کس بنیاد پر یہ امید رکھتے ہیں کہ ان کی سیرت و کردار اسلامی نظریہ اور طرز پر ہو گی۔"[15] سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے نزدیک جدید سماجی علوم اپنے فکر و فلسفہ میں الہامی اور انبیائی تعلیمات کے پابند نہیں، ان علوم میں نہ ہی خدا کے لیے کوئی جگہ ہے اور نہ یہ آخرت کا کوئی احساس دلاتے ہیں۔ جدید سماجی اور مغربی علوم انسان کو صرف پیٹ کا پجاری اور مادہ پرست بنا دیتے ہیں۔ آپ کے نزدیک جدید سماجی علوم کی اسلام کاری کے لیے جو کام کرنے کے ہیں وہ یہ ہیں کہ نظامِ تعلیم کو از سر نو مرتب کیا جائے اور ان علوم کی اسلامی تدوین کی کوشش کی جائے۔ اس حوالے سے آپ کے نزدیک سب سے پہلے جدید سماجی علوم پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ ان علوم کو جوں کا توں لینا درست نہیں۔ اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ تمام جدید سماجی علوم کی اسلام کاری کی جائے اور ان پر درست طریقے سے تنقید کی جائے، اور یہ تنقید خالص اسلامی نقطۂ نظر سے ہو تاکہ ہر قدم پر ان کے ناقص اجزاء کو چھوڑ دیا جائے اور صرف کارآمد اشیاء کو لیا جائے۔

ڈاکٹر طٰہ جابر العلوانی اپنی کتاب "*The Islamization of Knowledge: Yesterday and Today*" میں جدید سماجی علوم کی اسلام کاری کے رہنما اصول مرتب کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جدید سماجی علوم کی اسلام کاری اسلام اور جدید سائنس میں مشترک اور متصادم چیزوں کی درست تفہیم کے بعد ہی کی جا سکتی ہے یعنی جب تک ہمیں اس بات کا اندازہ نہ ہو کہ اسلام اور جدید سماجی علوم میں کون کون سے مشترکات ہیں اور کون کون سے اختلافات تو اس وقت تک ہم ان جدید سماجی علوم کی اسلام کاری کے لیے کوئی بھی قدم نہیں اٹھا سکتے۔ ڈاکٹر طٰہ کے نزدیک جدید سماجی علوم کی اسلامی اقدار کے مطابق اسلامی تدوین کی بنیاد اسی عمل پر ہے۔ ڈاکٹر طٰہ جابر العلوانی اپنی کتاب میں اس طرح رقم طراز ہیں:

> "... the Islamization of applied sciences and of scientific principles as well. This may be accomplished

---

[14] ڈاکٹر اسمٰعیل راجی الفاروقی، علوم جدید کی اسلامی تشکیل: عام اصول اور خطوط کار، ص: ۱۰۱-۱۰۲

[15] سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، *علمی تحقیق کیوں اور کس طرح؟* مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، ۲۰۱۴ء، ص: ۹-۱۰

through an understanding of the similarities between the principles of the natural sciences and and those of nature itself. This, in fact, is the foundation upon which all religious values are based. Therefore the philosophical references in scientific theories may become "Islamized", when they negate the postulative aspects of Westren theories."[16]

سید نقیب العطاس نے جدید سماجی علوم کی اسلام کاری کے حوالے سے جو نظریات پیش کیے ہیں ان میں وہ بیان کرتے ہیں کہ جدید سماجی علوم کی اسلام کاری کے لیے دو مراحل ہیں: اول یہ کہ موجودہ علم سے مغرب کے شامل کردہ ذاتی تعلیمی نظریات اور عناصر کو الگ کیا جائے اور ثانیاً یہ کہ اس موجودہ علمی مواد میں اسلامی نظریات اور تصورات کو شامل کیا جائے۔ سید نقیب العطاس لکھتے ہیں:

"Knowledge must be imbued with Islamic elements and key concepts after foreign elements and key concepts have been isolated form its every branch"[17]

العطاس جدید سماجی علوم کی اسلام کاری کے حوالے سے مزید احتیاط کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"The Islamization of contemporary Natural Sciences cannot be carried out simply by grafting or transplantation of secular knowledge in Islamic Sciences and principles. Such method will only lead to perpetual conflicting results and meaningless efforts because the essence of foreign elements or disease

[16] Dr. Taha Jabir Alwaani, *The Islamization of Knowledge: Yesterday and Today,* (Translated into English by: Yusuf Talal DeLorenzo), International Institute of Islamic Thought, London، 1996 A.D. pg. 3

[17] Syed Muhammad Nuqaib Al-Attas, *The Concept of Education in Islam*, Kaula Lampur: ISTAC, 1991 A.D. pg. 43

remains in the body of knowledge that makes it impossible to recost it in the crucible of Islam. Furthermore, transplanting two distinct and contemporary elements and key concepts will produce neither secular knowledge nor Islamic one."[18]

جدید نیچرل سماجی علوم کی اسلام کاری محض ان سیکولر علوم میں اسلامی سائنس اور اصولوں کا پیوند لگا دینے سے ممکن نہیں۔ اس طرح کا عمل محض مبہم اور دائی پُر تصادم نتائج اور کوششوں پر منتج ہوگا۔ کیونکہ جدید سماجی علوم میں مغربی اجزاء کی موجودگی ایک عنصر ہو گا جو ان جدید سماجی علوم کی اسلام کاری کے عمل کو ناممکن بنادے گا۔ مزید یہ کہ دو نمایاں اور عصری عناصر اور تصورات کی ٹرانسپلانٹیشن نہ تو سیکولر علم کو پیدا کرے گی اور نہ ہی اسلامی علم کو۔ سید نقیب العطاس کے جدید سماجی علوم کی اسلام کاری پر نظریات کا مطالعہ کرنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ڈاکٹر اسمٰعیل راجی الفاروقی نے اپنے نظریات کی بنیاد بھی العطاس کے نظریات پر ہی رکھی اور العطاس سے ہی اپنے نظریات مستعار لے کر ان کو مزید فروغ دیا۔ سید حسین نصر جدید سماجی علوم کی اسلام کاری کی حکمتِ عملی پر بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"جدید سماجی علوم اور انسانی عقلی علوم کی اسلام کاری کا براہِ راست تعلق اسلامی تصورِ جہاں اور اس سے جڑے سماجی علوم کے مطالعے کے ساتھ ہے۔ بالالفاظ دیگر، جب جب اسلام اور جدید سماجی علوم کے درمیان مکالمہ کیا جائے گا یا ان ہر دو کے باہمی تعلقات کا تجزیہ کیا جائے گا تو اس کا بلواسطہ یا بلاواسطہ تعلق علوم انسانی کی اسلامائزیشن کی طرف ایک قدم ہو گا۔ لہٰذا جدید سماجی علوم کی اسلام کاری کو اس تناظر میں دیکھنے کی بھی ضرورت ہے اور جدید سماجی علوم اور دینِ اسلام کے درمیان بحث کو کھلے دِل سے تسلیم کرنے کی ضرورت ہے تاکہ مختلف علمی اور عقلی شعبہ جات میں اسلامی تصور کو واضح انداز میں بیان کیا جاسکے اور یوں حق باری تعالیٰ کے ہر فطری مظہر میں متحرک کردار کی وضاحت ممکن ہو سکے۔"[19]

مندرجہ بالا بحث سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ تعلیم کا سیکولر نظریہ یہ ہے کہ مذہب اور تعلیم کا کوئی تعلق نہیں۔ تعلیم اور مذہب دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ جدید دنیا سائنس کی دنیا ہے۔ مسلم مفکرین نے سائنس اور سماجی نظریات کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے۔ جدید سماجی علوم کو اسلامائز کرنے میں مسلم مفکرینِ تعلیم کی فکر اور کردار بہت اہم ہے۔

نتائج تحقیق

---

[18] Syed Muhammad Nuqaib Al-Attas, *Islam and Secularism*, Kaula Lampur: ISTAC, 1997 A.D. pg. 56

[19] سید حسین نصر، اسلامی تصورِ جہاں اور جدید سائنس، (مترجم: اطہر وقار عظیم)، ادارہ مطبوعات طلبہ، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص: ۵۵

جدید مغربی علوم پر نقد و استدراک اور اخذ و استفادہ کے متعلق مسلم مفکرینِ تعلیم کی آراء کا تجزیہ کرنے کے بعد درج ذیل نتائج سامنے آئے ہیں:

۱۔ علم کے بارے میں دو طرح کے نظریات پائے جاتے ہیں، ایک سیکولر اور دوسرے مذہبی۔ تعلیمی نظریات کی اس تقسیم کے انسانی معاشرے پر گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

۲۔ جدید مغربی تہذیب و تمدن کی اساسیات یونانی تہذیب و تمدن ہے۔ یونانی مفکرین نے تعلیم کے بارے میں جو نظریات قائم کیے ہیں، جدید مغربی علوم کی بنیاد انہی نظریات پر ہے۔

۳۔ جدید مغربی علوم کی بنیاد مادیت پرستی پر ہے اور ان علوم کا مقصد منفعت کا حصول، آسائش اور معیارِ زندگی کو بہتر بنانا ہے۔ خدا طلبی اور اخلاقی اقدار کے لیے ان علوم میں کوئی جگہ نہیں۔

۴۔ جدید مغربی تہذیب نے گزشتہ کئی صدیوں سے فکری ارتقاء کا جو سفر طے کیا ہے اس کی بنیاد لادینیت اور مادیت پرستی ہے، اور بلاشبہ یہ تہذیب مذہب اور روحانیت سے دور ہو گئی ہے، لیکن اس حقیقت میں بھی کچھ شبہ نہیں کہ سیاست، مدن اور معاشرتی تنظیم کے ضمن میں عملی نوعیت کے جو سوالات اٹھ رہے ہیں، جدید مغربی تہذیب نے ان مسائل کے حل کے لیے متعدد مفید تجربات اور تصورات پیش کیے ہیں جن کی افادی حیثیت کو رد نہیں کیا جا سکتا۔

۵۔ اہلِ علم کوئی بھی ہو مسلم یا غیر مسلم، اس سے علم کا حصول ممکن ہے اور اسلام نے اس سے منع نہیں فرمایا۔

۶۔ مسلمان مفکرینِ تعلیم نے جدید مغربی علوم سے اخذ و استفادہ کی مختلف صورتوں کے بارے میں مختلف آراء دی ہیں، جن کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ جدید مغربی علوم سے اخذ و استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

۷۔ مسلمان مفکرینِ تعلیم کی رائے یہ ہے کہ چونکہ تمام مغربی علوم یا ان علوم کے تمام عناصر اسلامی فکر سے متصادم نہیں ہیں، اس لیے ایسے عناصر سے استفادہ مناسب ہے، اور ایسے عناصر جو اسلام سے متصادم ہیں اور ان سے استفادہ ناگزیر ہے، تو ان علوم سے اخذ و استفادہ سے پہلے انہیں اسلامی قالب میں ڈھالا جائے۔

۸۔ بعض مسلم مفکرین جیسے سید نقیب العطاس، ڈاکٹر اسماعیل راجی الفاروقی اور ڈاکٹر طٰہٰ جابر العلوانی اس بات کے قائل ہیں کہ مذہبی اور سیکولر علوم کے درمیان باہمی ہم آہنگی، مطابقت اور امتزاج پیدا کیا جائے اور دونوں طرح کے علوم کو ایک دوسرے کا معاون قرار دیا جائے۔

۹۔ جدید مغربی علوم کے جو عناصر اسلامی فکر و فلسفہ سے متصادم ہیں ان کی اسلام کاری کی جائے اور انہیں نہ صرف اسلامی سانچے میں ڈھالا جائے بلکہ اسلام کاری کے اس کام کو عام افراد تک پہنچایا جائے تاکہ وہ بھی ان سے استفادہ کر سکیں۔

خلاصہ بحث

جدید سماجی علوم کی اسلام کاری کے حوالے سے مسلمانوں کی تحریک ان کی دیرینہ خوابِ غفلت سے جاگنے کے بعد شروع ہوئی اور اب عصری سماجی علوم کی اسلام کاری کے موضوع پر مسلمان مفکرین کے درمیان بحث کافی عرصہ سے جاری

ہے۔ بیشتر مسلم مفکرین نے مسلمانوں کے لیے جدید سماجی علوم کی اسلام کاری کے تصوراتی مسئلہ کو حل کرنے کے لیے اپنے نظریات پیش کیے اور اس سلسلہ میں بلیغ سعی کی۔ مسلمان اب یہ چاہتے ہیں کہ طویل عرصہ تک مغرب کے زیرِ اثر رہنے کی وجہ سے اس دورانیہ میں جدید سماجی علوم، سیکولر نظریات اور مغربی ثقافت نے مسلمانوں کی فکر اور عقیدہ پر گہرے اور منفی اثرات مرتب کیے ہیں۔ اب مسلمان چاہتے ہیں کہ "Epistemological Revolution" کے ذریعے اپنے آپ کو مغربیت کے اس طلسم سے نہ صرف آزاد کیا جائے بلکہ ان کی فکر کو دوبارہ سے اسلامی نہج پر استوار کیا جائے، یہی اصطلاح جدید سماجی علوم کی اسلام کاری کے عنوان سے سامنے آئی ہے۔ عصری سماجی علوم کی اسلام کاری محض ایک کھوکھلا نعرہ نہیں بلکہ یہ ان مفکرین کے لیے خاص طور پر اپنے اندر گہرے معانی رکھتا ہے جو اسے اس کی حقیقی روح کے مطابق سمجھتے ہیں۔ آج کے دور میں جدید سماجی علوم اور مذہب کا اختلاف اور ٹکراؤ شدت اختیار کرتا جارہا ہے۔ اگرچہ اس عنوان کے تحت متعدد کتب تحریر ہوئی ہیں، بیسیوں مقالات لکھے جاچکے ہیں، لیکن اس تعلق اور تضاد پر سیرِ حاصل بحث کے باوجود دونوں کے تعلق کی صحیح نوعیت اور شکل ایک ایسی الجھن ہے جس پر مسلمان دو صدیاں گزر جانے کے باوجود اتفاق نہیں کر پائے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس الجھن میں مسلمان آج بھی گرفتار ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان علماء اور مفکرین آج تک اس بات پر اتفاق ہی نہیں کر پائے کہ عصری سماجی علوم کی کیا حدود ہیں اور مذہب انسانی زندگی کے کن کن امور کا احاطہ کرتا ہے۔ عصری سماجی علوم کی اسلام کاری میں حائل مشکلات کی بنیادی وجہ جدید سائنس کے فروغ سے روحانی دنیا میں پیدا ہونے والا خلا ہے اور اس کی اختلاف کی ایک وجہ اخلاقی، تہذیبی اور ثقافتی بحران ہے۔ آج کے دور میں عصری سماجی علوم کے لیے ضروری ہو گیا ہے کہ وہ بھی مذہب کو قبول کریں کیونکہ مذہب تو پہلے ہی نہ صرف سائنس کو قبول کرتا ہے بلکہ خود ہی انسان کو مشاہدے اور غور وفکر پر ابھارتا ہے، تاکہ انسان نہ صرف اللہ تعالیٰ کو پہچان سکے بلکہ اس کے احکامات کی بجاآوری بھی کرسکے۔